ڈاکٹر اسرار احمد

قَالَ اَلَمۡ
۱۶

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ　　　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ○ (الکھف: ۷۵، ۷۶)

قرآن حکیم کا سولہواں پارہ "قَالَ اَلَمْ" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے نصفِ اوّل میں سورۂ کہف کی بقیہ چھتیس آیات اور سورۂ مریم مکمل شامل ہیں۔ اور اس کا نصفِ آخر کامل سورۂ طٰہٰ پر مشتمل ہے۔ سورۂ کہف کے بارے میں یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ انسانوں پر یہ حقیقت واضح رہے کہ یہ حیاتِ دنیوی محض ایک امتحانی وقفہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان لیتا ہے کبھی وہ تنگی سے آزماتا ہے اور کبھی کشادگی سے آزماتا ہے، یہاں کی اونچ نیچ سے متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ جاننا چاہیے کہ انسان کی اصل منزل آخرت ہے۔ اس پارہ میں اس سورۂ مبارکہ کا جو حصہ شامل ہے اس میں اوّلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس واقعہ کا اصل حاصل یہی ہے کہ اس دنیا میں جو واقعات و حوادث رونما ہوتے رہتے ہیں ان کے ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز انسان کو انتہائی ناگوار ہو لیکن اس کے پردے میں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خیر آ رہا ہو۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا: وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ ۲۱۶)

یعنی "ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو درانحالیکہ وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور کسی چیز کو پسند کرو دراں حالیکہ وہ تمہارے حق میں شر پر مشتمل ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔"

اس کے بعد ذوالقرنین کا ذکر ہوا۔ یہ ایک خدا ترس اور نیک دل بادشاہ تھے جنہیں تاریخ میں کیخسرو یا سائرس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں اصحاب کہف کا ذکر ہوا

تھا جن کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا شدائد و مصائب کی صورت میں کہ ان کے لیے توحید پر کاربند رہنا ناممکن ہوگیا اور وہ مجبور ہوگئے کہ آبادی کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لیں۔ امتحان کی انتہائی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر اپنے انعامات و نوازشات کی بارش فرمائے' اسے دنیاوی وجاہت و اقتدار اور دولت و ثروت عطا فرمائے اور دیکھے کہ وہ اللہ کا شکرگزار بندہ ہو کر رہتا ہے یا مغرور ہو کر اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے۔ حضرت ذوالقرنین اس دوسری آزمائش کی ایک بڑی عمدہ مثال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں تمکن اور غلبہ عطا فرمایا' لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نیک دل اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور عدل و انصاف پر کاربند رہنے والے انسان کی حیثیت ہی سے اس دنیا میں رہے۔ سورۂ کہف کی آخری آیات بڑی اہم ہیں۔ ان میں پھر اس حقیقت کو کھولا گیا ہے کہ انسان کی تباہی کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ دنیا کو اپنا مطلوب و مقصود بنا لے۔ فرمایا:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ (آیات ۱۰۳-۱۰۵)

یعنی اے لوگو! کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنی سعی و جہد اور اپنی کدوکاوش کے اعتبار سے سب سے زیادہ گھاٹے اور خسارے میں رہنے والے لوگ کون سے ہیں؟ وہ لوگ کہ جن کی سعی و جہد اس دنیا کی زندگی ہی میں بھٹک کر رہ گئی' انہوں نے دنیا ہی کو اپنا مطلوب و مقصود بنایا' ساری بھاگ دوڑ صرف دنیا اور اس کے لذائذ اور اس کی آسائشوں ہی کے حصول کے لیے وقف کر دی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہے۔ قیامت کے دن ان کی سعی و جُہد کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ میزانِ ربانی میں ان کی ساری جدّ و جہد پرکاہ کے برابر بھی وزن نہ رکھے گی۔

سورۂ کہف کے بعد قرآن مجید میں سورۂ مریم وارد ہوئی۔ اس سورۂ مبارکہ میں انبیاء کرام کا ذکر ہے لیکن اس اعتبار سے نہیں کہ جس اعتبار سے پہلے کی مکی سورتوں میں ہوتا رہا ہے یعنی رسولوں کے اعراض و انکار پر قوموں کی ہلاکت کا معاملہ۔ اس سورۂ مبارکہ میں اس طرح کا ذکر نہیں ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیاء کے شخصی دفاع اور ان کی سیرت و کردار کو بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا بیان ہے' پھر حضرت مریم سلامٌ علیہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور اس ضمن میں بڑی شدت کے ساتھ نفی کی گئی ہے الوہیتِ حضرت مسیحؑ کے عقیدے کی۔ چنانچہ

ان کا قول نقل ہوا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (آیت ۳۰) "میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے (یعنی انجیل) اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے"۔

اس کے بعد ابو الانبیاء، امام الناس خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے اور انہوں نے اپنے والد کو جس لجاجت کے ساتھ، جس عاجزی کے ساتھ اور جس انکساری کے ساتھ اور جتنے پُرسوز اور پُردرد لہجے میں خدائے واحد پر ایمان لانے کی دعوت دی، اس کا بڑے ہی دل نشین پیرائے میں ذکر ہوا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے۔

اس کے بعد ایک مضمون بڑا اہم آیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید سے جو عشق تھا، وہ معلوم ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضورؐ نے شکوہ کیا کہ آپ وقفے وقفے سے آتے ہیں، ہمارا شوق اور ہمارا اشتیاق اس دوران میں بڑھتا چلا جاتا ہے، آپ جلدی جلدی وحی لایا کریں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا جواب اس سورۃ میں نقل ہوا: وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ "اے نبیؐ ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہو سکتے"۔ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا (آیت ۶۴) "ہمارے سامنے جو کچھ ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے، ہمارے پیچھے جو کچھ ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے اور ان دونوں کے مابین جو کچھ ہے اس کا مختارِ مطلق بھی وہی ہے۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے"۔ یعنی اگر وحیِ قرآنی میں وقفہ ہو رہا ہے تو نعوذ باللہ من ذالک یہ کسی نسیان کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ اس میں حکمتِ خداوندی کارفرما ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے آخر میں ایک اور عظیم آیت وارد ہوئی: وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا (آیت ۹۵) یعنی قیامت کے دن ہر انسان کو اللہ کی عدالت میں انفرادی حیثیت میں پیش ہونا ہوگا۔ کوئی اور اس کی طرف سے جواب دہی نہ کر پائے گا۔ ہر ایک کو اپنا حساب خود ہی چکانا ہوگا۔

اس کے بعد سورۂ طٰہٰ ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ سورۂ یوسف سے اس اعتبار سے کچھ مشابہ ہے کہ اس کی ایک سو پینتیس (۱۳۵) آیات میں سے ننانوے آیات میں ایک ہی رسولؑ کا ذکر ہے، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کا۔ اور اس سورۂ مبارکہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے دوران ایک بڑی عجیب بات ارشاد ہوئی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر طلب فرمایا گیا تو آپؑ اپنے شوق اور اشتیاق کے باعث وقتِ معین سے قبل پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا: وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰى (آیت ۸۳) "اے موسیٰ تم یہ پہلے کیسے آ گئے؟" حضرت موسیٰؑ نے

جواب دیا: عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (آیت ۸۴) میں اس لیے جلدی آیا کہ تو راضی ہو جائے۔ لیکن جواب میں ارشاد ہوا: فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ (آیت ۸۵) تمہاری اس جلدی کا ایک نتیجہ نکل چکا ہے' اور تمہارے بعد تمہاری قوم گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اسی کے ساتھ حضورؐ کو بھی ایک بڑے لطیف پیرائے میں یہ تلقین فرمائی گئی کہ اگرچہ قرآنِ مجید سے عشق اپنی جگہ انتہائی مبارک و مسعود ہے لیکن اس کے معاملے میں آپ بھی جلدی نہ کیجئے: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (آیت ۱۱۴) "اور اے نبیؐ جلدی نہ کیجئے قرآن کے لیے اس سے پہلے کہ حکمتِ الٰہی میں اس کی تنزیل کے لیے جو تدریج معین ہے' اس کے مطابق اس کی وحی مکمل ہو جائے"۔ معلوم ہوا کہ عجلت اور جلد بازی خواہ خیر ہی کے لیے ہو اچھی چیز نہیں ہے۔ ہر کام کے لیے ایک تدریج معین ہے اور اس تدریج ہی کے ساتھ ہر کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

بقیہ : امام ترمذیؒ

(۷) ابن حجر' تہذیب التہذیب' ج ۹ ص ۳۸۷ (۸) شاہ عبدالعزیز دہلوی' بستان المحدثین' ص ۱۴۱

(۹) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ' ج ۲' ص ۲۰۸ (۱۰) شاہ عبدالعزیز دہلوی' بستان المحدثین' ص ۱۴۱

(۱۱) سید محمد انور شاہ کشمیری' العرف الشذی' ص ۴ (۱۲) ولی اللہ دہلوی' حجۃ اللہ البالغہ' ج ۱' ص ۱۴۲

(۱۳) جلال الدین سیوطی' تدریب الراوی' ص ۲۶۰ (۱۴) صدیق حسن خان' اتحاف النبلاء' ص ۳۸۷

(۱۵) سیوطی' تدریب الراوی' ص ۵۴ (۱۶) ابن صلاح' مقدمہ ابن صلاح' ص ۱۹۲' عبدالحی لکھنوی' ظفر الامانی' ص ۳۲۲

(۱۷) ذہبی' تذکرۃ الحفاظ' ج ۳' ص ۲۰۸ (۱۸) ولی اللہ دہلوی' حجۃ اللہ البالغہ' ج ۱' ص ۱۴۱

(۱۹) شاہ عبدالعزیز دہلوی' بستان المحدثین' ص ۱۴۱ (۲۰) ضیاء الدین اصلاحی' تذکرۃ المحدثین' ج ۱' ص ۳۲۱

(۲۱) محمد مستقیم سلفی' جماعت اہلحدیث کی تصنیفی خدمات' ص ۵۳۔

(۲۲) عبدالسلام مبارکپوری' سیرت البخاری' ص ۴۳۱